بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

1776

سورۃ الطور (52)

آیت نمبر (1 تا 16)

ر ق ق

(ض) رِقَّۃً پتلا ہونا۔ نرم ہونا۔

رَقٌّ پتلی چیز۔ پتلا کاغذ۔ زیر مطالعہ آیت۔3۔

م و ر

(ن) مَوۡرًا کسی چیز کا تیزی سے ہلنا۔ کپکپانا۔ ڈھاٹھیں مارنا۔ زیر مطالعہ آیت،9۔

د ع ع

دَعًّا سختی سے ہٹانا۔ دھکا دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔13۔

ترکیب

آیات۔1 تا 6 تک جو قسمیں آئی ہیں ان کے ترجمہ کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ان میں ہر واو کو قسمیہ مانیں۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا قسم ہے طور کی۔ قسم ہے ایک لکھی ہوئی کتاب کی۔ اسی طرح آخرت تک۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف پہلے واو کو قسمیہ مانیں اور بعد میں آنے والے تمام واو کو عاطفہ مانیں۔ ان اسماء کو حالت جر میں ہونے کی وجہ سے پہلے واو القسمیہ پر عطف مانے جائیں۔ ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا قسم ہے طور کی اور قسم ہے ایک کھلی کتاب کی۔ اسی طرح آخر تک دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ نکرہ مخصوصہ ہے۔ اور فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ اس کی خصوصیت ہے۔ (آیت۔14)۔ اَلنَّارُ پر لام تعریف ہے اور یہ ھٰذِہٖ کی خبر معرفہ ہے۔ جبکہ اَلَّتِیۡ سے تُکَذِّبُوۡنَ تک پورا جملہ اَلنَّارُ کی صفت ہے۔

ترجمہ

الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾	وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾	فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾
قسم ہے طور کی	اور ایک ایسی لکھی ہوئی کتاب کی قسم ہے جو	ایک پھیلائی ہوئی پتلی چیز میں ہے

وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾	وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾	وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾
اور قسم ہے اس آباد کئے ہوئے گھر کی	اور قسم ہے اس بلند کی ہوئی چھت کی	اور قسم ہے اس جوش دیے ہوئے سمندر کی

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ	لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾	مَّا لَہٗ	مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾	یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ
بیشک آپ کے رب کا عذاب	یقیناً وقوع پذیر ہونے والا ہے	نہیں ہے اس کے لیے	کوئی بھی دفع کرنے والا	جس دن لہریں لے گا آسمان

مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾	وَّ تَسِیۡرُ	الۡجِبَالُ	سَیۡرًا ﴿ؕ۱۰﴾	فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ	لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۙ﴿۱۱﴾
جیسے لہریں لیتے ہیں	اور چلیں گے	پہاڑ	جیسے چلتے ہیں	پس بربادی ہے اس دن	جھٹلانے والوں کے لیے

الَّذِیۡنَ ہُمۡ	فِیۡ خَوۡضٍ	یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾	یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ	اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ
یہ وہ لوگ ہیں جو	بے پر کی اڑانے میں	کھیلتے ہیں	جس دن وہ لوگ دھکیلے جائیں گے	جہنم کی آگ کی طرف

دَعًّا ﴿١٣﴾	هٰذِهِ النَّارُ	الَّتِيْ	كُنْتُمْ بِهَا	تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ 6776
جیسے دھکیلے جاتے ہیں	یہ ہے وہ آگ	وہ	تم لوگ جس کو	جھٹلایا کرتے تھے

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ	اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾	اِصْلَوْهَا	فَاصْبِرُوْٓا	اَوْ لَا تَصْبِرُوْا
تو کیا جادو ہے یہ	یا تم لوگ بصیرت سے کام نہیں لیتے	تم لوگ جا پڑو اس میں	پھر (چاہے) صبر کرو	یا صبر مت کرو

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ	اِنَّمَا تُجْزَوْنَ	مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾
برابر ہے تم لوگوں پر	تم لوگوں کو تو بس بدلہ دیا جاتا ہے	وہ (ہی) جو	تم لوگ عمل کیا کرتے تھے

نوٹ:1 سورۂ ذاریات میں آخرت کے امکان اس کے وجود اور وقوع کے دلائل دیے جا چکے تھے۔ اس لیے یہاں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ البتہ آخرت کی شہادت دینے والے چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پورے زور کے ساتھ فرمایا کہ وہ یقیناً واقع ہو کر رہے گی۔ طور وہ جگہ ہے جہاں ایک دبی اور پسی ہوئی قوم کو اٹھانے اور ایک غالب و قاہر قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور یہ فیصلہ قانونِ طبیعی (Physical Laws) کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانونِ اخلاقی (Moral Law) اور قانونِ مکافاتِ عمل (Law of Retribution) کی بنیاد پر تھا اس لیے آخرت کے حق میں تاریخی استدلال کے طور پر طُور کو بطور ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 ایک پھیلائی ہوئی پتلی چیز میں لکھی ہوئی کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا اعمالنامہ یا قرآن یا تورات یا عام کُتبِ سماویہ مراد ہوں یہ سب احتمالات ہیں۔ (شیخ الہندؒ)

آیت نمبر (17 تا 28)

ء ل ت

(ض) اَلَتَ کسی کے حق میں کمی کرنا۔ گھٹانا۔ (متعدی) کسی چیز کا کم ہو جانا۔ گھٹنا۔ (لازم)۔ زیر مطالعہ آیت۔21۔

ترکیب (آیت۔24)۔ ''طوف''۔ کی لغت آیت نمبر۔2/ البقرۃ:125 میں گزر چکی ہے۔ اس میں یہ اضافہ کر لیں کہ اس کے مفعول پر جب بِ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی جگہ یا مکان کے چاروں طرف چکر لگانا یعنی طواف کرنا۔ اور جب علیٰ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کے پاس یا کسی جگہ آنا جانا کرنا۔ چکر لگانا۔ (آیت 28) ''ب رر'' کی لغت آیت نمبر۔2/ البقرۃ:44 میں گزر چکی ہے۔ وہاں بتایا ہے کہ بَرٌّ اسم الفاعل ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ یہ دراصل بَارِرٌ ہے۔ عربی کے کچھ الفاظ میں فَاعِلٌ کے وزن کا الف گرا دیتے ہیں۔ اس میں بھی بَارِرٌ کا الف گرا ہوا ہے اس لیے یہ بَرِرٌ ہوا۔ پھر ادغام کر کے بَرٌّ ہو گیا۔ جیسے رَبٌّ مصدر بھی ہے اور اسم الفاعل بھی۔ جس میں یہ اصلاً رَابٌّ ہے۔ اس کا الف گرا تو یہ رَبٌّ استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ	وَّنَعِيْمٍ ﴿١٧﴾	فٰكِهِيْنَ	بِمَآ
بیشک تقویٰ اختیار کرنے والے	باغوں میں	اور ہمیشہ خوشحالی میں ہوں گے	خوش ہونے والے	اس پر جو

اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ	وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿١٨﴾
دیا ان کو ان کے رب نے	اور بچایا ان کو ان کے رب نے	آگ کے عذاب سے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	هَنِيْٓـًٔا	بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾	مُتَّكِـِٕيْنَ 6776
(کہا جائے گا) تم لوگ کھاؤ اور پیو	خوشگوار ہوتے ہوئے	بسبب اس کے جو تم لوگ عمل کیا کرتے تھے	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے

عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ	وَزَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾
قطار لگائے ہوئے تختوں پر	اور ہم جوڑے بنا دیں گے ان کے	خوبصورت بڑی آنکھوں والیوں سے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَاتَّبَعَتْهُمْ	ذُرِّيَّتُهُمْ	بِاِيْمَانٍ	اَلْحَقْنَا بِهِمْ
اور جو لوگ ایمان لائے	اور پیروی کی جن کی	ان کی اولاد نے	ایمان کے ساتھ	ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ

ذُرِّيَّتَهُمْ	وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ	مِّنْ عَمَلِهِمْ	مِّنْ شَيْءٍ ۭ	كُلُّ امْرِئٍۢ
ان کی اولاد کو	اور ہم حق تلفی نہیں کریں گے ان کی	ان کے عمل میں سے	ذرا سا بھی	ہر شخص

بِمَا كَسَبَ	رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾	وَاَمْدَدْنٰهُمْ	بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ
بسبب اس کے جو اس نے کمائی کی	گروی رکھا ہوا ہے	اور ہم دراز کریں گے دینا ان کو	پھلوں اور گوشت سے

مِّمَّا	يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾	يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا	كَاْسًا	لَّا لَغْوٌ فِيْهَا
اس میں سے جو	ان کا جی چاہے گا	چھینا چھپٹی کریں گے اس میں	ایک ایسے جام کی	کوئی بیکار بات نہ ہوگی جس میں

وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾	وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ	غِلْمَانٌ لَّهُمْ	كَاَنَّهُمْ	لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾
اور نہ کوئی الزام تراشی	اور گھومیں پھریں گے ان کے گرد	ان کے خدمت گزار	جیسے کہ وہ	چھپائے ہوئے موتی ہوں

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ	عَلٰى بَعْضٍ	يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾	قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا
اور سامنے ہوگا ان کا کوئی	کسی کے	باہم پوچھتے ہوئے	وہ کہیں گے بیشک ہم تھے

قَبْلُ	فِيْٓ اَهْلِنَا	مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾	فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا
اس سے پہلے	اپنے گھر والوں میں	ڈرنے والے	تو احسان کیا اللہ نے ہم پر

وَوَقٰىنَا	عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾	اِنَّا	كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ
اور اس نے بچایا ہم کو	جھلس دینے والی لُو کے عذاب سے	بیشک ہم	اس سے پہلے ہم پکارا کرتے تھے اس کو

اِنَّهٗ	هُوَ الْبَرُّ	الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع
یقیناً وہ (ہے کہ)	وہی احسان کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ:1 انسان کا کوئی لطف و سرور بھی بیوی بچوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے فرمایا کہ: زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ یعنی اللہ تعالیٰ جنت میں یہ نعمت بھی اہل ایمان کے لیے مہیا فرمائے گا۔ اس کے لیے الفاظ وہ استعمال فرمائے ہیں جن سے ہم اس کا فی الجملہ تصور کر سکیں اس کی اصل حقیقت تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ آخرت میں ہی واضح ہوگی۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 21۔ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجے میں پہنچا دیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجے کو نہیں پہنچے۔ یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لیے اور ان سب کے لیے کیا تھا۔ تو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ ابن کثیرؒ نے روایاتِ مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا۔ اس کا دوسرا رخ کہ اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو نفع پہنچے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کا درجہ جنت میں ان کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کر دیں گے۔ تو وہ پوچھے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ درجہ کہاں سے مل گیا تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لیے استغفار اور دُعا کی اس کا یہ اثر ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (29 تا 43)

ك ھ ن

(ف) كَهَانَةً — غیب کی خبریں بتانا۔ (ظن وگمان سے)

كَاهِنٌ — غیب کی خبریں بتانے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 29۔

ترجمہ

فَذَكِّرْ	فَمَآ اَنْتَ	بِنِعْمَتِ رَبِّكَ	بِكَاهِنٍ	وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ ﴿۲۹﴾
تو آپؐ یاددہانی کراتے رہیں	پھر آپ نہیں ہیں	اپنے رب کی نعمت (فضل) کے سبب سے	کوئی کاہن	اور نہ کوئی مجنون

اَمْ يَقُوْلُوْنَ	شَاعِرٌ	نَّتَرَبَّصُ بِهٖ	رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾
یا یہ لوگ کہتے ہیں	(کہ یہ) ایک ایسا شاعر ہے	ہم انتظار کرتے ہیں جس کے بارے میں	گردش زمانہ کا

قُلْ	تَرَبَّصُوْا	فَاِنِّيْ مَعَكُمْ	مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ ﴿۳۱﴾	اَمْ تَاْمُرُهُمْ	اَحْلَامُهُمْ
آپؐ کہیے	تم لوگ انتظار کرو	تو میں (بھی) تمہارے ساتھ	انتظار کرنے والوں میں سے ہوں	یا حکم دیتی ہیں ان کو	ان کی عقلیں

بِهٰذَآ	اَمْ هُمْ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ ﴿۳۲﴾	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	تَقَوَّلَهٗ ۚ	بَلْ
اس (حرکت) کا	یا یہ لوگ	ایک سرکشی کرنے والی قوم ہیں	یا یہ لوگ کہتے ہیں	اس نے گھڑ لیا اس کو	بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ)

لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۳۳﴾	فَلْيَاْتُوْا	بِحَدِيْثٍ	مِّثْلِهٖٓ	اِنْ كَانُوْا	صٰدِقِيْنَ ؕ ﴿۳۴﴾
یہ لوگ ایمان نہیں لاتے	پس چاہیے کہ یہ لوگ لائیں	کوئی بات	اس (قرآن) کے جیسی	اگر یہ لوگ ہیں	سچ کہنے والے

اَمْ خُلِقُوْا	مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ	اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾	اَمْ خَلَقُوا
یا یہ لوگ پیدا کیے گئے	کسی چیز (نطفہ) کے بغیر	یا یہ لوگ ہی پیدا کرنے والے ہیں	یا انہوں نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۳۶﴾	اَمْ عِنْدَهُمْ	خَزَآئِنُ رَبِّكَ
آسمانوں اور زمین کو	بلکہ یہ یقین نہیں کرتے	یا ان کے پاس	آپؐ کے رب کے خزانے ہیں

اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ؕ﴿۳۷﴾	اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ	يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ	فَلْيَاْتِ
یا یہ لوگ ہی (خزانوں کے) داروغہ ہیں	یا ان کے لیے کوئی ایسی سیڑھی ہے	یہ لوگ کان لگاتے ہیں جس میں	تو چاہیے کہ لائے

مُسْتَمِعُهُمْ	بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ؕ﴿۳۸﴾	اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ	وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ؕ﴿۳۹﴾
ان کا کان لگانے والا	کوئی واضح دلیل	یا اس کے لیے بیٹیاں ہیں	اور تم لوگوں کے لیے بیٹے ہیں

اَمْ تَسْئَلُهُمْ	اَجْرًا	فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ	مُّثْقَلُوْنَ ؕ﴿۴۰﴾	اَمْ عِنْدَهُمُ
یا آپؐ مانگتے ہیں ان سے	کوئی اجرت	تو یہ لوگ کسی تاوان سے	لادے ہوئے ہیں	یا ان کے پاس

الْغَيْبُ	فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ؕ﴿۴۱﴾	اَمْ يُرِيْدُوْنَ	كَيْدًا ؕ	فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
غیب ہے	تو یہ لوگ لکھتے ہیں (اس کو)	یا یہ لوگ ارادہ کرتے ہیں	کسی چالبازی کا	تو جن لوگوں نے انکار کیا

هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ؕ﴿۴۲﴾	اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ	غَيْرُ اللّٰهِ ؕ	سُبْحٰنَ اللّٰهِ	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾
وہی چالبازی کا نشانہ ہیں	یا ان کے لیے کوئی اِلٰہ ہے	اللہ کے علاوہ	اللہ کی پاکیزگی ہے	اس سے جو یہ لوگ شریک کرتے ہیں

نوٹ:1

سب سے پہلے زیر مطالعہ آیت۔34۔ میں نہ صرف قریش کو بلکہ تمام دنیا کے منکرین کو یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم قرآن کو انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس پائے کا کوئی کلام لا کر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکہ میں اور آخری بار مدینہ میں اسے دہرایا گیا۔ سورہ یونس۔38، ھود۔13، بنی اسرائیل۔88، البقرۃ23۔ اس وقت سے آج تک کسی کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کے مقابلے میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید عربی ادب کا مکمل ترین اور بلند ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی زبان داں اسے سن کر متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ چودہ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے۔ عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں اس کے قریب نہیں پہنچتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیار فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشاء، محاورے، قواعدِ زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا۔ اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے اور تحریر و تقریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو چودہ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (44 تا 49)

1776

ترجمہ

وَاِنۡ يَّرَوۡا	كِسۡفًا	مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا	يَّقُوۡلُوۡا
اور اگر وہ لوگ دیکھیں گے	کسی ٹکڑے کو	آسمان سے گرنے والا ہوتے ہوئے	تو کہیں گے
سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾	فَذَرۡهُمۡ	حَتّٰى يُلٰقُوۡا	يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ
(یہ) تہہ بہ تہہ کیا ہوا بادل ہے	تو آپ چھوڑیں ان کو	یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں	اپنے اس دن سے
فِيۡهِ يُصۡعَقُوۡنَ ﴿۴۵﴾	يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ	كَيۡدُهُمۡ	شَيۡـًٔا
جس میں ان پر بجلی گرائی جائے گی	جس دن کام نہ آئے گی ان کے	ان کی چالبازی	ذرا سا بھی
وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۶﴾	وَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا	عَذَابًا	دُوۡنَ ذٰلِكَ
اور نہ ان کی مدد کی جائے گی	اور بیشک ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا	ایک عذاب ہے	اس کے علاوہ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ	لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾	وَاصۡبِرۡ	لِحُكۡمِ رَبِّكَ
اور لیکن ان کے اکثر	جانتے نہیں ہیں	اور آپؐ ثابت قدم رہیں	اپنے رب کے حکم کے لیے

فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا	وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ	حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾
تو بیشک آپؐ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں	اور آپ تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ	جس وقت آپ گھڑے ہوتے ہیں
وَمِنَ الَّيۡلِ	فَسَبِّحۡهُ	وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾
اور رات میں سے	پھر آپ تسبیح کریں اس کی	اور ستاروں کے پیٹھ پھیرنے (ڈوبنے) کے وقت

نوٹ: 1

آیت۔ 47۔ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً شخصی اور قومی مصیبتیں نازل کر کے ہم انہیں یاد دلاتے رہیں گے کہ اوپر کوئی بالاتر طاقت ان کی قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے اور کوئی ان کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن جو لوگ جہالت میں مبتلا ہیں انہوں نے نہ پہلے کبھی ان واقعات سے سبق لیا ہے اور نہ آئندہ لیں گے۔ وہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث کی ہر وہ تاویل کرتے ہیں جو حقیقت کو سمجھنے سے ان کو دور لے جائے اور کسی ایسی تاویل کو ان کا ذہن قبول نہیں کرتا جو ان کی دہریت یا شرک کی غلطی ان پر واضح کر دے۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اچھا ہوتا ہے تو اس کی مثال اُس اُونٹ کی سی ہے جسے اس کے مالک نے باندھا تو اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں باندھا ہے اور جب کھول دیا۔ تُو وہ کچھ نہ سمجھا کہ کیوں کھول دیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6776

سورۃ النجم (53)

آیت نمبر (1 تا 18)

ق و ب

(ن) قَوْبًا زمین کو گول دائرے میں کھودنا۔
قَابٌ کمان کے ایک کونے سے درمیان میں پکڑنے ...... کا فاصلہ۔ زیر مطالعہ آیت۔9۔

ق و س

(س) قَوَسًا کمر کا جھک جانا۔
قَوْسٌ کمان۔ ہر وہ چیز جو کمان کی شکل پر ہے جیسے محراب۔ زیر مطالعہ آیت۔9۔

ترکیب

آیت۔1۔ میں ھَوٰی اور آیت۔3 میں اَلْھَوٰی میں جو فرق ہے اس کو سمجھ لیں۔ مادہ ''ھ وی'' کی لغت آیت نمبر۔2/البقرۃ:87۔ میں دی ہوئی ہے۔ اس حوالے سے نوٹ کریں کہ یہ مادہ جب باب ضَرَبَ سے آتا ہے تو فعل ماضی کا پہلا صیغہ ھَوَیَ بنتا ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر ھَوٰی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں وہ اترا۔ آیت زیر مطالعہ میں اِذَا کے ساتھ آیا ہے اس لیے معنی ہیں جب وہ اترتا ہے۔ یہی مادہ جب باب سَمِعَ سے آتا ہے تو اس کے فعل ماضی کا پہلا صیغہ ھَوِیَ بنتا ہے اور یہ تبدیلی کے بغیر استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مصدر ھَوًیٌ ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر حالت رفع اور جر میں ھَوٍی اور نصب میں ھَوًی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں پسند کرنا۔ جی چاہنا۔ اس مصدر پر جب لام تعریف داخل ہوتا ہے تو یہ ھَوًیٌ سے اَلْھَوَیُ ہو جاتا ہے۔ اب اس پر مختلف قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ تبدیل ہو کر اَلْھَوٰی استعمال ہوتا ہے۔ ھَوٰی اور اَلْھَوٰی میں تمیز لام تعریف کی وجہ سے آسانی سے ہو جاتی ہے کیونکہ لام تعریف فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

ترجمہ

وَالنَّجْمِ	اِذَا ھَوٰی ﴿۱﴾	مَا ضَلَّ	صَاحِبُکُمْ	وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾	وَمَا یَنْطِقُ
قسم ہے ستارے کی	جب وہ اترتا (ڈوبتا) ہے	نہیں بھٹکے	تمہارے ساتھی	اور نہ وہؐ بے راہ ہوئے	اور وہ نہیں بولتے

عَنِ الْھَوٰی ﴿۳﴾	اِنْ ھُوَ	اِلَّا وَحْیٌ	یُّوْحٰی ﴿۴﴾	عَلَّمَہٗ
جی چاہنے سے	نہیں ہے یہ (قرآن)	مگر ایک ایسی وحی جو	وحی کی جاتی ہے	تعلیم دی ان کو

شَدِیْدُ الْقُوٰی ﴿۵﴾	ذُوْ مِرَّۃٍ ﴿۶﴾	فَاسْتَوٰی	وَھُوَ
قوتوں کے شدید	دائمی حالت والے نے	پھر وہ (جبریلؑ) جم گئے	اس حال میں کہ وہؑ

بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۷	ثُمَّ دَنَا	فَتَدَلّٰى ۸	فَكَانَ	قَابَ قَوْسَيْنِ 6776
بلند ترین کنارے پر تھے	پھر وہؐ نزدیک ہوئے	تو وہؐ جھکے	تو وہ تھے	دو کمانوں کے فاصلے پر

اَوْ اَدْنٰى ۹	فَاَوْحٰٓى	اِلٰى عَبْدِهٖ	مَآ	اَوْحٰى ۱۰	مَا كَذَبَ
یا (اس سے) زیادہ نزدیک	تو اس (اللہ) نے وحی بھیجی (جبریلؑ کے ذریعے)	اپنے بندے کی طرف	وہ جو	اس نے وحی کی	جھوٹ نہ جانا

الْفُؤَادُ	مَا	رَاٰى ۱۱	اَفَتُمٰرُوْنَهٗ	عَلٰى مَا	يَرٰى ۱۲	وَ
دل نے	اس کو جو	انہوں (رسولؐ) نے دیکھا	تو کیا تم لوگ جھگڑتے ہو انؐ سے	اس پر جو	وہ دیکھتے ہیں	اس حال میں کہ

لَقَدْ رَاٰهُ	نَزْلَةً	اُخْرٰى ۱۳	عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۱۴	عِنْدَهَا	جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۱۵
یقیناً وہ دیکھ چکے ہیں ان (جبریلؑ) کو	اترتے ہوئے	ایک اور بار	رکنے کی جگہ کی بیری کے پاس	جس کے پاس	ٹھکانے کی جگہ کا باغ ہے

اِذْ يَغْشَى	السِّدْرَةَ	يَغْشٰى ۱۶	مَا زَاغَ الْبَصَرُ	وَمَا طَغٰى ۱۷
جب چھاتا تھا	اُس بیری پر	وہ جو چھاتا تھا	کج نہیں ہوئی نگاہ	اور نہ وہ حد سے بڑھی

لَقَدْ رَاٰى	مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ	الْكُبْرٰى ۱۸
بیشک اس نے دیکھا ہے	اپنے رب کی نشانیوں میں سے	زیادہ بڑی کو

نوٹ:1

سورۃ النجم پہلی سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں مجمع عام میں تلاوت فرمائی اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ تلاوت کیا۔ وہاں پر موجود مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں سجدہ کیا اور جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ سب بھی سجدہ میں گر گئے سوائے ایک شخص کے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:2

آیت۔ 1-2 کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کسی غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بھٹکے اور نہ جان بوجھ کر بے راہ ہوئے۔ جس طرح ستارے طلوع سے غروب تک ایک مقرر رفتار سے متعین راستہ پر چلے جاتے ہیں اسی طرح آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر چلتا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوئی ہے اور جس طرح ستاروں کے ڈوبنے کے بعد آفتاب طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف آوری کے بعد آفتاب محمد طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تنزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر مضبوط و محکم ہوگا جس سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نوٹ:3

آیت۔ 3۔ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کریں، اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔ احادیث سے وحی کی بہت سی اقسام ثابت ہیں۔ ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اس کا نام قرآن ہے۔ دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اُس معنی کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ اس کا نام حدیث اور سنت ہے۔ پھر حدیث میں جو مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے۔ جبکہ کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتایا جاتا ہے جس

سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں جس میں غلط کا امکان ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان سے کوئی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے۔ احادیث میں متعدد واقعات ایسے مذکور ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دیا پھر بذریعہ وحی اس کو بدلا گیا چونکہ ایسے اجتہادی فیصلوں کا استخراج جس قاعدہ کلیہ سے کیا گیا تھا وہ اللہ کی طرف سے آئے تھے، اس لیے ایسے احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (19 تا 28)

ض ی ز

(ض)

ضِیْزًا — حق سے کم دینا۔ نا انصافی کرنا۔

ضِیْزٰی — (یہ دراصل فُعلٰی کے وزن پر ضُیْزٰی ہے۔ یا کی مناسبت سے ض کی ضمہ کو کسرہ میں تبدیل کر کے ضِیْزٰی استعمال کرتے ہیں۔) زیادہ یا سب سے زیادہ نا انصافی۔ پھر مجرد بڑی نا انصافی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔22۔

ترجمہ

اَفَرَءَیْتُمُ	اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾	وَمَنٰوةَ	الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾
تو کیا تم لوگوں نے (کبھی) غور کیا	لات اور عزیٰ پر	اور منات پر	جو ایک اور تیسری ہے

اَلَکُمُ الذَّکَرُ	وَلَهُ	الْاُنْثٰی ﴿۲۱﴾	تِلْكَ اِذًا	قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴿۲۲﴾
کیا تمہارے لیے لڑکا ہے	اور اس (اللہ) کے لیے	لڑکی ہے	یہ تو پھر	بڑی نا انصافی والی تقسیم ہے

اِنْ هِیَ	اِلَّآ اَسْمَآءٌ	سَمَّیْتُمُوْهَآ	اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ	مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
نہیں ہیں یہ	مگر کچھ ایسے نام	تم لوگوں نے نام دھرے جن کے	تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے	نہیں اتاری اللہ نے

بِهَا	مِنْ سُلْطٰنٍ	اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ	اِلَّا الظَّنَّ	وَمَا	تَهْوَی
جن کے بارے میں	کوئی بھی سند	وہ لوگ نہیں پیروی کرتے	مگر گمان کی	اور اس کی جو	پسند کرتے ہیں

الْاَنْفُسُ	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ	مِّنْ رَّبِّهِمُ	الْهُدٰی ﴿۲۳﴾	اَمْ لِلْاِنْسَانِ
(ان کے) جی	حالانکہ آچکی ہے ان کے پاس	ان کے رب (کی طرف) سے	ہدایت	یا انسان کے لیے

مَا	تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾	فَلِلّٰهِ	الْاٰخِرَةُ	وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾	وَکَمْ مِّنْ مَّلَكٍ
وہ ہے جو	وہ تمنا کرے	تو اللہ ہی کے لیے ہے	(ہر چیز کا) آخر	اور پہل (ابتداء)	اور کتنے ہی فرشتے ہیں

فِی السَّمٰوٰتِ	لَا تُغْنِیْ	شَفَاعَتُهُمْ	شَیْئًا	اِلَّا مِنْ بَعْدِ	اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ
آسمانوں میں	کام نہیں آتی	جن کی شفاعت	ذرا سا بھی	مگر اس کے بعد	کہ اجازت دے اللہ

لِمَنۡ یَّشَآءُ	وَ یَرۡضٰی ﴿۲۶﴾	اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	بِالۡاٰخِرَۃِ	لَیُسَمُّوۡنَ
جس کے لیے وہ چاہے	اور راضی ہو	بیشک جو لوگ ایمان نہیں رکھتے	آخرت پر	وہ یقیناً نام رکھتے ہیں

الۡمَلٰٓئِکَۃَ	تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾	وَ مَا لَہُمۡ	بِہٖ	مِنۡ عِلۡمٍ ؕ
فرشتوں کے	جیسے عورتوں کا نام رکھنا ہے	حالانکہ ان کے لیے نہیں ہے	اس بارے میں	کوئی بھی علم

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ	اِلَّا الظَّنَّ ۚ	وَ اِنَّ الظَّنَّ	لَا یُغۡنِیۡ	مِنَ الۡحَقِّ	شَیۡئًا ﴿ۚ۲۸﴾
یہ لوگ پیروی نہیں کرتے	مگر گمان کی	درآنحالیکہ یقیناً گمان	بے نیاز نہیں کرتا	حق سے	ذرا سا بھی

نوٹ:1 آیت۔24۔کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تمناؤں کی رہنمائی میں جو چاہے فلسفہ بنا ڈالو، لیکن ضروری نہیں ہر تمنا پوری ہو۔حقیقت اور آرزو میں بڑا فرق ہے۔جب حقیقت سامنے آئے گی تب دیکھو گے کہ جو خیالی محل تم نے تعمیر کیے تھے اس کی بنیاد ریت پر تھی۔تمہارے یہ معبود کسی کے کام آنے والے نہیں بنیں گے۔یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ جس طرح مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کے بل پر بہت سی تمنائیں اپنے دِلوں میں پال رکھی ہیں اسی طرح یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں نے بھی اپنے دلوں میں بہت سی جھوٹی آرزوئیں پال رکھی ہیں جو محض خواہش نفس سے وجود میں آئی ہیں۔قرآن نے اس آیت میں لفظ انسان سے خطاب کر کے بلا استثناء سب کو آگاہی دی ہے کہ تمنائیں جس کا جو جی چاہے پال رکھے، لیکن یہ یاد رکھے کہ کسی کی آرزوؤں کی خاطر نہ حقائق میں تبدیلی ہوگی اور نہ خدا کا قانون کسی کی جانب داری کرے گا۔(تدبر قرآن)۔

آیت نمبر(29 تا32)

ل	م	م

(ن) لَمًّا جمع کرنا۔سمیٹنا۔﴿ وَ تَاۡکُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَکۡلًا لَّمًّا ﴿ۙ۱۹﴾ ﴾ (89/الفجر:19)''اور تم لوگ کھاتے ہو میراث کا مال جیسے سمیٹتے ہوئے کھانے کا حق ہے۔''

لَمَمًا چھوٹے گناہ کا ارتکاب کرنا۔زیر مطالعہ آیت۔32۔

ترجمہ

فَاَعۡرِضۡ	عَنۡ مَّنۡ	تَوَلّٰی ۬ۙ	عَنۡ ذِکۡرِنَا	وَ لَمۡ یُرِدۡ
تو آپ توجہ ہٹا لیں	اس سے جس نے	منہ موڑا	ہماری یاد سے	اور اس نے ارادہ کیا ہی نہیں (کسی بات کا)

اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿ؕ۲۹﴾	ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ	مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ	اِنَّ رَبَّکَ	ہُوَ اَعۡلَمُ
سوائے اس دنیوی زندگی کے	یہ ان کے پہنچنے کی جگہ ہے	علم میں سے	بیشک آپ کا رب	ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے

بِمَنۡ ضَلَّ	عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ	وَ ہُوَ اَعۡلَمُ	بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾
اس کو جو جھک گیا	اس کے راستے سے	اور وہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے	اس کو جس نے ہدایت پائی

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ	لِيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا
اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے	اور وہ (بھی) جو زمین میں ہے	نتیجتاً وہ بدلہ دے گا	ان کو جنہوں نے بُرا کیا

بِمَا	عَمِلُوْا	وَيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا	بِالْحُسْنٰى ۚ﴿٣١﴾	اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ
بسبب اس کے جو	انہوں نے عمل کیا	اور وہ بدلہ دے گا	ان کو جنہوں نے اچھا کیا	بڑی بھلائی سے	وہ لوگ جو بچتے ہیں

كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	وَالْفَوَاحِشَ	اِلَّا اللَّمَمَ ؕ	اِنَّ رَبَّكَ	وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ
گناہ کے بڑوں سے	اور بے حیائیوں سے	سوائے چھوٹی موٹی غلطی کرنے کے	بیشک آپ کا رب	مغفرت کو وسعت دینے والا ہے

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ	اِذْ اَنْشَاَكُمْ	مِّنَ الْاَرْضِ	وَاِذْ اَنْتُمْ	اَجِنَّةٌ	فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
وہ خوب جاننے والا ہے تم لوگوں کو	جب اس نے بنایا تم لوگوں کو	زمین سے	اور جب تم لوگ	چھپائے گئے تھے	تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں

فَلَا تُزَكُّوْٓا	اَنْفُسَكُمْ ؕ	هُوَ اَعْلَمُ	بِمَنِ اتَّقٰى ۧ﴿٣٢﴾
توتم لوگ تزکیہ (کا چرچا) مت کرو	اپنے آپ کا	وہ خوب جانتا ہے	اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا

نوٹ:1

آیت۔30 میں ذٰلِكَ کا اشارہ گزشتہ آیت میں اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کی طرف ہے۔اس طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا علم دنیوی زندگی تک محدود ہے۔نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ علم کی پہنچ دنیوی زندگی تک ہے۔کیونکہ علم کی پہنچ تو اس سے آگے بھی ہے۔اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ علم کے ذریعہ یہ لوگ دنیوی زندگی کی سہولیات حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اس سے آگے کا علم حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔یہی بات سورہ روم کی آیت۔7۔میں اس طرح کہی گئی کہ یہ لوگ دنیوی زندگی میں سے کچھ ظاہر کا علم رکھتے ہیں اور اس کے انجام یعنی آخرت سے غفلت برتنے والے ہیں۔یعنی ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی دنیوی زندگی کے انجام کا علم حاصل نہ کریں اور اس سے غافل ہی رہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے توہمات اور تمناؤں کی بنیاد پر انہوں نے جو خیالی محل سجا رکھے ہیں، آخرت کا علم انہیں چکنا چور کر دیتا ہے۔اس لیے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے وہ بنکارتے ہیں کہ کہاں ہے بلی!

بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔پھر یہ لوگ اپنے طرزِ فکر کو منطقی استدلال کا جامہ بھی پہناتے ہیں یعنی اسے Rationalise بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو چیز ہمارے حواس خمسہ کے دائرے کے اندر ہے اسے تو ماننا چاہیے اور ہم مانتے ہیں۔دانشمندی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تحقیق کرنے کے بعد ایسی چیزوں کو مان لیا جائے۔لیکن جس چیز کو ہم نے چھوا نہیں، چکھا نہیں، سونگھا نہیں، سنا نہیں، دیکھا نہیں دانشمندی کو آج کے ترقی یافتہ دور میں سائنٹفک طرزِ فکر کہتے ہیں۔زمانۂ جاہلیت میں ''خیالی چیزوں'' کو ماننے والوں کو بطور تضحیک اور استہزاء ''سُفَهَآءَ'' کہا جاتا تھا، آج بالکل اسی انداز میں ایسے لوگوں کی سوچ کو غیر سائنٹفک قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ جس سائنٹفک طرزِ فکر پر یہ اتنا تراتے ہیں اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک شخص کو کسی جگہ سے دھواں اٹھتا نظر آتا ہے تو وہ مان لیتا ہے کہ ہاں! وہاں دھواں ہے۔لیکن جب ہم اسے بتاتے ہیں کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ بنکارتا ہے کہ کہاں ہے آگ! کیونکہ آگ نظر نہیں آرہی ہے۔جبکہ زمینی حقیقت یہ ہے کہ دھواں آگ کی علامت ہے۔دھوئیں کا وجود آگ کے وجود کا ثبوت ہے۔

اب ''اسلام کا جائزہ'' کورس میں ''وجود باری تعالیٰ'' کے سبق کو ذہن میں تازہ کریں جس میں آپ کو بتایا جاچکا ہے کہ کس طرح انسان کو بہت کچھ سکھا پڑھا کر اور بہت سی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔ ان میں ایک صلاحیت یہ بھی ہے کہ کسی بات کے آثار اور علامات کو دیکھ کر انسان کا ذہن بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صلاحیت کے استعمال کو قرآن میں تفقہہ کرنا کہا گیا ہے۔ اس امتحان گاہ میں انسان کو جو امتحان کا پرچہ ملتا ہے، اس کا پہلا سوال اِس صلاحیت کے استعمال کسے متعلق ہے اور یہ سوال لازمی (Compulsory) ہے، اسے انسان (Choice) میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اِس صلاحیت کو استعمال کرنے سے انکار کو ہمارے دانشمند اور سائنسدان بڑے فخر سے سائنٹفک طرزِ فکر کہتے ہیں اور قرآن ہمیں بتا رہا ہے کہ یہ ہے اُن کے پہنچنے کی وہ جگہ جہاں تک وہ لوگ اپنے علم سے پہنچ سکے ہیں۔

نوٹ:2

آیت۔32 میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا ہے کہ وہ اپنی جان کا اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق کو ہے۔ کیونکہ ماں کے پیٹ میں تخلیق کے جو مختلف دور اس پر گزرے ہیں اس کا اسے کوئی علم و شعور حاصل نہیں ہے مگر اس کو بنانے والا خوب جانتا تھا جس کی حکیمانہ تخلیق اس کو بنا رہی تھی، اس طرح انسان کو اس کی کم علمی اور عجز پر تنبیہہ کر کے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جو بھی کوئی نیک کام کرتا ہے، وہ اس کا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ اللہ کا بخشا ہوا انعام ہے۔ کام کرنے کے اعضاء و جوارح اس نے بنائے، اس میں حرکت کی قوت اس نے بخشی، دل میں نیک کام کرنے کا داعیہ اس نے دیا پھر اس پر عزم و عمل اسی کی توفیق سے ہوا۔ اس لیے کسی بڑے سے بڑے متقی و پرہیزگار انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے عمل پر فخر کرے۔ اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور میں مبتلا ہو۔

بی بی زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام ان کے والدین نے بَرّہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار۔ آپ ﷺ نے اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کے زینب رکھا دیا۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (33 تا 46)

ک	د	ی

(ض)   کَدْيًا   کسی کو روکنا۔ دینے میں بخل کرنا۔

(افعال)   اِکْدَاءً   کسی چیز سے باز رکھنا۔ روک لینا۔ زیر مطالعہ آیت۔34۔

ترکیب

(آیت۔41)۔ مادہ ''وف ی'' سے باب افعال میں ماضی کا صیغہ اصلاً اَوْفَيَ ہوتا ہے جو اَوْفٰی استعمال ہوتا ہے۔ افعل تفضیل میں یہ اصلاً اَوْفَيُ ہوتا ہے اور یہ بھی اَوْفٰی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ اَلْجَزَاءَ کی صفت کے طور پر آیا ہے، اس لیے یہ ماضی کا صیغہ نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ افعل تفضیل ہے۔ (آیت۔43-44) اَضْحَکَ، اَبْکٰی، اَمَاتَ اور اَحْیَا، یہ سب ماضی کے صیغے ہیں لیکن ان کا ترجمہ حال میں ہوگا کیونکہ یہ آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ 49، نوٹ۔2)

ترجمہ

اَفَرَءَيْتَ	الَّذِيْ	تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾	وَاَعْطٰى	قَلِيْلًا	وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾
تو کیا آپؐ نے دیکھا	اس کو جس نے	منہ موڑا	اور اس نے دیا	تھوڑا سا	اور ہاتھ روک لیا

اَعِنْدَهٗ	عِلْمُ الْغَيْبِ	فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾	اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ	بِمَا
کیا اس کے پاس	غیب کا علم ہے	تو وہ دیکھتا ہے (غیب کو)	یا اس کو بتایا ہی نہیں گیا	اس کے بارے میں جو

1776

فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿٣٦﴾	وَاِبْرٰهِیْمَ	الَّذِیْ وَفّٰٓی ﴿٣٧﴾	اَلَّا تَزِرُ
موسیٰؑ کے اوراق میں ہے	اور ابراہیمؑ کے (بھی)	وہ جنہوں نے حق ادا کر دیا	(یہ) کہ نہیں اٹھائے گی

وَازِرَةٌ	وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿٣٨﴾	وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ	اِلَّا مَا	سَعٰی ﴿٣٩﴾
کوئی اٹھانے والی	کسی دوسری (جان) کا بوجھ	اور (یہ) کہ نہیں ہے انسان کے لیے	سوائے اس کے جو	اس نے کوشش کی

وَاَنَّ سَعْیَهٗ	سَوْفَ یُرٰی ﴿٤٠﴾	ثُمَّ یُجْزٰىهُ	الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿٤١﴾
اور یہ کہ اس کی کوشش	عنقریب دکھائی جائے گی	پھر بدلے میں دیا جائے گا اس کو	بھرپور بدلہ

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ	الْمُنْتَهٰی ﴿٤٢﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ	اَضْحَكَ	وَاَبْكٰی ﴿٤٣﴾
اور یہ کہ آپؐ کے رب کی طرف ہی	رکنے کی جگہ ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ	ہنساتا ہے	اور رلاتا ہے

وَاَنَّهٗ	هُوَ اَمَاتَ	وَاَحْیَا ﴿٤٤﴾	وَاَنَّهٗ	خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ
اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ موت دیتا ہے	اور زندگی دیتا ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	اس نے پیدا کیے دو جوڑے

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿٤٥﴾	مِنْ نُّطْفَةٍ	اِذَا تُمْنٰی ﴿٤٦﴾
مذکر اور مونث	کسی بوند سے	جب وہ گرائی جاتی ہے

نوٹ:1 آیت۔33 تا35۔ میں ان لوگوں کے کردار کو ایک تمثیل کے پیرائے میں پیش کیا ہے جو اللہ کی راہ میں کچھ دینے دلانے کا تو حوصلہ نہیں رکھتے، اور اگر کبھی کچھ دیتے بھی ہیں تو بس ذرا سا لیکن اپنے فرضی معبودوں کی شفاعت اور اپنے خاندانی شرف کے زعم میں اللہ کے ہاں اپنے لیے اونچے اونچے مرتبوں کے مدعی ہیں۔ فرمایا کہ کیا ان کے پاس علم غیب کی دوربین ہے جس کی مدد سے وہ اپنے مراتب کو دیکھ رہے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔38۔ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کا عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ نہ کسی کو اس کا اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے کا عذاب اپنے سر لے لے۔ آیت۔39۔ میں ہے کہ اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کرے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے فرض نماز ادا کر دے یا فرضی روزے رکھ لے اور وہ دوسرا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے۔ ایک شخص کی دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت۔39۔ کو بعض لوگ معاشیات پر غلط طریقے سے منطبق کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی (Earned Income) کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بات قرآن مجید ہی کے احکام سے ٹکراتی ہے۔ مثلاً قانون وراثت جس کی رو سے ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں درآنحالیکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی۔ اسی طرح احکام زکوٰۃ وصدقات، جن کی رو سے ایک آدمی کے مال کے دوسرے لوگ جائز مالک ہوتے ہیں حالانکہ اس مال کو پیدا کرنے میں ان کی

1776

محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے اپنے نتائج نکالنا جو قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوں، قرآن کی منشا کے بالکل خلاف ہے۔

بعض دوسرے لوگ اس آیت کو آخرت سے متعلق مان کر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کے اجر کو دوسرے کی طرف منتقل کر سکے؟ اس کا جواب اگر نفی میں ہو تو دوسرے کے حق میں دعائے استغفار، ایصال ثواب، حج بدل وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ انتہائی نقطۂ نظر اہل اسلام میں سے معتزلہ کے سوا کسی نے اختیار نہیں کیا۔ جبکہ اہل سنت دوسروں کے حق میں دعائے استغفار کا نافع ہونا بالاتفاق مانتے ہیں، کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔ البتہ ایصال ثواب میں ان کے درمیان اصولاً نہیں بلکہ صرف تفصیلات میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ مالی عبادات مثلاً صدقہ یا مالی و بدنی مرکب عبادات مثلاً حج کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ جبکہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے خواہ وہ خالص بدنی ہوں، مالی ہوں یا مالی و بدنی مرکب ہوں۔ یہ بات بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ ان کے دادا العاص نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ ان کے چچا ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کر دیے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو، وہ ان کے لیے نافع ہوگا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا رہا، ان کے مرنے کے بعد کیسے کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے بھی روزے رکھے۔ ایک اور حدیث میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

ایسی کثیر روایات ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اور اس امر کی تصریح کر رہی ہیں کہ ایصال ثواب نہ صرف ممکن ہے، بلکہ ہر طرح کی عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہو سکتا ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لیں کہ نیک عمل کے دو فائدے ہیں۔ ایک اس کے وہ نتائج جو عمل کرنے والے کی اپنی روح اور اخلاق پر مترتب ہوتے ہیں، اور جن کی بنا پر وہ اللہ کے ہاں بھی جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسرے اس کا وہ اجر ہے جو اللہ تعالیٰ بطور انعام اسے دیتا ہے۔ ایصال ثواب کا تعلق پہلی چیز سے نہیں ہے بلکہ صرف دوسری چیز سے ہے۔ اسی لیے اس کو ایصال جزا نہیں بلکہ ایصال ثواب کہا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج 5۔ ص 215 تا 217 سے ماخوذ)۔

آیت نمبر (47 تا 62)

ق ن ی

(ض۔س)	قَنُوًا	اللہ کا کسی کو مال دینا۔ مالدار کرنا۔ (اتنا مال دینا جو ضرورت پوری ہونے کے بعد بچ رہے)۔
(افعال)	اِقْنَاءً	ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔ نمبر 48۔

س	م	د

1776

(ن) سُمُوْدًا: تکبر سے سر اونچا کرنا اور سینہ تاننا۔ اکڑ دکھانا۔

سَامِدٌ: اسم الفاعل ہے۔ اکڑ دکھانے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 61۔

ترکیب

(آیت۔ 50 تا 52) اَھْلَکَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے عَادًا۔ ثَمُوْدَا۔ اور قَوْمَ نُوْحٍ حالت نصب میں ہیں۔ ثَمُوْدُ غیر منصرف ہے اس لیے یہ ثَمُوْدًا کے بجائے ثَمُوْدَ ہے۔ اس کے آگے الف اضافی ہے اور یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ (آیت۔ 53)۔ اَلْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْلَکَ کا مفعول نہیں ہے بلکہ یہ اَھْوٰی کا مفعول مقدم ہے۔

ترجمہ

وَاَنَّ عَلَیْهِ	النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ اَغْنٰی	وَاَقْنٰی ﴿۴۸﴾
اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے	دوسری اٹھان	اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ ہی ضرورت پوری کرتا ہے	اور مالدار کرتا ہے

وَاَنَّهٗ	هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾	وَاَنَّهٗ	اَهْلَكَ	عَادَا ۨالْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾	وَثَمُوْدَاۡ
اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ ہی شعریٰ کا مالک ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	اس نے ہلاک کیا	پہلے (قبیلہ) عاد کو	اور ثمود کو

فَمَاۤ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾	وَقَوْمَ نُوْحٍ	مِّنْ قَبْلُ	اِنَّهُمْ كَانُوْا
تو اس نے باقی نہ چھوڑا	اور نوحؑ کی قوم کو	اس سے پہلے	بیشک وہ لوگ تھے

هُمْ اَظْلَمَ	وَاَطْغٰی ﴿۵۲﴾	وَالْمُؤْتَفِكَةَ
ہی سب سے زیادہ ظلم کرنے والے	اور سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے	اور الٹ جانے والی بستی کو

اَهْوٰی ﴿۵۳﴾	فَغَشّٰىهَا	مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ
اس نے نیچے گرایا	پھر چھایا اس پر	وہ جو چھایا	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس پر

تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾	هٰذَا نَذِیْرٌ	مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾	اَزِفَتِ	الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾
تو شک کرے گا	یہ ایک خبردار کرنے والے ہیں	پہلے خبردار کرنے والوں میں سے	قریب ہوئی	قریب ہونے والی (قیامت)

لَیْسَ لَهَا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾	اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ
نہیں ہے اس کو	اللہ کے سوا	کوئی دور کرنے والی (ہستی)	تو کیا اس بات سے

تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾	وَتَضْحَكُوْنَ	وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾	وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾
تم لوگ تعجب کرتے ہو	اور تم لوگ ہنستے ہو	اور روتے نہیں	اور تم لوگ اکڑ دکھانے والے ہو

فَاسْجُدُوْا	لِلّٰهِ	وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة
تو تم لوگ سجدہ کرو	اللہ کو	اور تم لوگ بندگی کرو (اس کی)

نوٹ: 1

آیت۔ 48۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہی ہے جو انسان کی محتاجی کو غِنا سے بدل دیتا ہے۔ یعنی اس کو اتنا مال دیتا ہے کہ اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ اور کسی کو اتنا مال دیتا ہے کہ ضروریات پوری کرنے کے بعد کچھ مال بچ رہتا ہے جسے وہ جمع کرتا رہتا ہے اور مالدار بن جاتا ہے۔ (تدبر القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

شِعرٰی آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے۔ انگریزی میں اس کو (Dogstar) کہتے ہیں۔ یہ سورج سے 23 گنا زیادہ روشن ہے۔ مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے۔ اس لیے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے۔ اہلِ مصر اس کی پرستش کرتے تھے کیونکہ اس کے طلوع کے زمانے میں دریائے نیل کا فیضان شروع ہوتا تھا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ یہ اس ستارے کے طلوع کا فیضان ہے۔ جاہلیت میں اہلِ عرب کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ ستارہ لوگوں کی قسمت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آیت۔49۔ کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری قسمتیں شِعرٰی نہیں بناتا بلکہ وہ بناتا ہے جو شعرٰی کا بھی مالک ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔55۔ میں لفظ تتماری استعمال ہوا ہے جس کے معنی شک کرنے کے بھی ہیں اور جھگڑنے کے بھی۔ ضمیر واحد آئی ہے یعنی جو شخص بھی اس کلام کو سن رہا ہو اس کو مخاطب کرکے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو جھٹلانے اور ان کے بارے میں پیغمبروں سے جھگڑا کرنے کا جو انجام انسانی تاریخ میں ہو چکا ہے کیا اس کے بعد بھی تو اسی حماقت کا ارتکاب کرے گا۔ پچھلی قوموں نے یہی تو شک کیا تھا کہ جن نعمتوں سے وہ اس دنیا میں مستفید ہو رہے تھے وہ خدائے واحد کی نعمتیں ہیں، یا کوئی اور بھی ان کے مہیا کرنے میں شریک ہے، یا یہ کسی کی فراہم کی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ فراہم ہو گئی ہیں۔ اسی شک کی بنا پر انہوں نے انبیاء سے جھگڑا کیا تھا۔ وہ قومیں اپنے اس شک کا انجام دیکھ چکی ہیں۔ کیا تو بھی وہی شک کرے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ القمر (54)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترکیب

(آیت۔4) جَآءَ کا فاعل مَا ہے۔ فِیۡہِ کی ضمیر ما کی ضمیر عائد ہے۔ مُزۡدَجَرٌ کا مادہ "ز ج ر" ہے، یہ باب افتعال سے اسم المفعول ہے اور مبتدا مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ جو مَوۡجُوۡدٌ ہو سکتی ہے۔ جبکہ فِیۡہِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ (آیت۔5)۔ اَلنُّذُرُ، نَذِیۡرٌ کی جمع مکسر ہے۔ اس لحاظ سے فعل واحد مؤنث تُغۡنِ آیا ہے۔ یہاں کوئی ایسا عامل نہیں ہے جس کی وجہ سے تُغۡنِ کو منصوب یا مجزوم مانا جا سکے۔ اس لیے یہ مضارع معروف تُغۡنِیۡ ہی ہے۔ اِس آیت میں اس کی یا کو گرا کر لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ (آیت۔6) اسی طرح سے یَدۡعُ اور اَلدَّاعِ دراصل یَدۡعُوۡ اور اَلدَّاعِیۡ ہیں۔ یہاں پر ان کی واو اور یا کو گرا کر لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ (آیت۔7)۔ خُشَّعٌ جمع مکسر ہے۔ اسم الفاعل خَاشِعٌ کی۔ حال ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس نے فعل کی طرح عمل کیا ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ 54، نوٹ۔1) اَبۡصَارُهُمۡ اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے۔

ترجمہ

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ	وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ①	وَاِنۡ یَّرَوۡا	اٰیَۃً
قریب ہوئی وہ گھڑی (قیامت)	اور پھٹ گیا چاند	اور اگر وہ لوگ دیکھتے ہیں	کوئی نشانی

يُّعْرِضُوْا	وَيَقُوْلُوْا	سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②	وَكَذَّبُوْا	وَاتَّبَعُوْٓا
تو وہ بے رخی برتتے ہیں	اور کہتے ہیں	(یہ) ہمیشہ ہونے والا جادو ہے	اور انہوں نے جھٹلایا	اور پیروی کی

اَهْوَآءَهُمْ	وَكُلُّ اَمْرٍ	مُّسْتَقِرٌّ ③	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ	مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
اپنی خواہشات کی	اور ہر معاملہ	قرار پانے والا ہے	اور بیشک آچکی ہے ان کے پاس	خبروں میں سے

مَا	فِيْهِ	مُزْدَجَرٌ ④	حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ	فَمَا تُغْنِ	النُّذُرُ ⑤
وہ	جس میں	ایک روکی ہوئی بات (نصیحت آمیز جھڑکی) ہے	جو سمجھ میں آنے والی دانائی ہے	تو بے پرواہ نہیں کرتے	خبردار کرنے والے

فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ	يَوْمَ يَدْعُ	الدَّاعِ	اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥	خُشَّعًا
تو آپؐ منہ پھیرلیں	ان لوگوں سے	جس دن پکارے گا	وہ پکارنے والا	ایک ناگوار چیز کی طرف	اس حال میں کہ جھکنے والی ہوں گی

اَبْصَارُهُمْ	يَخْرُجُوْنَ	مِنَ الْاَجْدَاثِ	كَاَنَّهُمْ	جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦
ان کی آنکھیں	وہ لوگ نکلیں گے	قبروں میں سے	جیسے کہ وہ	پھیلنے والی ٹنڈی دل ہیں

مُّهْطِعِيْنَ	اِلَى الدَّاعِ	يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ	هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧
دوڑنے والے ہوتے ہوئے	اس پکارنے والے کی طرف	کہیں گے کافر لوگ	یہ ایک سخت دن ہے

نوٹ:1

آیت۔1۔ میں شقِ قمر کے واقعہ کو قربِ قیامت کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قیامت کو کفار ایک بعید از عقل چیز خیال کرتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ کس طرح ممکن ہوگا کہ یہ ساری کائنات ایک دن بالکل درہم برہم ہوجائے۔ زمین اور اس کے پہاڑوں وغیرہ کو وہ اٹل اور غیر فانی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شقِ قمر کی نشانی دکھا کر بتادیا کہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز نہ خود مختار ہے اور نہ غیر فانی ہے بلکہ ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے گا ان کو درہم برہم کردے گا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے یہ قیامت کے دن پیش آنے والے واقعہ کی خبر ہے جس کو ماضی کے صیغے میں اس کی قطعیت کے اظہار کے لیے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت میں پیش آنے والے واقعات قرآن میں ماضی کے صیغے میں بیان ہوئے ہیں لیکن اگر یہاں یہ معنی لیے جائیں تو مفہوم آگے والی بات سے بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ کوئی سی بھی نشانی دیکھیں گے تو اس میں اعراض ہی کریں گے۔ اگر چاند کے پھٹنے کا تعلق قیامت سے ہوتا تو اس کے آگے نشانی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ (تدبر قرآن)۔

اعتراض کرنے والے ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کُرّے کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہوجائیں اور سینکڑوں میل کے فاصلے تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر باہم جڑ جائیں۔ قدیم زمانے میں تو شاید یہ اعتراض چل سکتا تھا لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بنا پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کُرّہ اپنے اندر کی آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے دور تک چلے جائیں اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے سبب سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ آملیں۔ (تفہیم القرآن)۔

دوسرا عام شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے۔ اُس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا۔ اور بعض ممالک میں نصف شب یا آخر شب ہو گی جب عام دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے۔ پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ اس لیے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور اور مستند ''تاریخ فرشتہ'' میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان کی ریاست مالیبار کے راجہ نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوا دیا تھا اور یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس واقعہ کے وقت منیٰ میں موجود تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دیکھ کر کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے۔ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس لیے باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو کہ انہوں نے بھی یہ دیکھا ہے کہ نہیں۔ پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے، جو ہر طرف سے آئے تھے۔ انہوں نے تحقیق کی سب نے اعتراض کیا کہ ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (9 تا 17)

ھ م ر

(ن) هَمَرًا — پانی گرانا۔

(انفعال) اِنْهِمَارًا — پانی کا گرنا۔ برسنا۔ پانی کا بہنا۔

مُنْهَمِرٌ — اسم الفاعل ہے۔ برسنے والا۔ بہنے والا، زیر مطالعہ آیت نمبر۔ 11۔

د س ر

دَسْرًا — نیزہ مارنا۔ زور سے گھسانا۔ کیل ٹھونکنا۔

دِسَارٌ — ج دُسُرٌ۔ میخ۔ کیل۔ زیر مطالعہ آیت نمبر۔ 13۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ	قَوْمُ نُوْحٍ	فَكَذَّبُوْا	عَبْدَنَا	وَقَالُوْا
جھٹلایا ان لوگوں سے پہلے	نوحؑ کی قوم نے	تو انہوں نے جھٹلایا	ہمارے بندے کو	اور کہا

مَجْنُوْنٌ	وَّازْدُجِرَ ⑨	فَدَعَا رَبَّهٗٓ	اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ	فَانْتَصِرْ ⑩
(یہ) دیوانہ ہے	اور جھڑکا گیا اس کو	تو انہوںؑ نے پکارا اپنے رب کو	کہ میں مغلوب ہوں	پس تو بدلہ لے

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ	بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪	وَّفَجَّرْنَا	الْاَرْضَ
تو ہم نے کھولے آسمان کے دروازے	برسنے والے پانی کے ساتھ	اور ہم نے پھاڑ کر بہایا	زمین کو

عُيُوْنًا	فَالْتَقَى الْمَاۗءُ	عَلٰٓي اَمْرٍ	قَدْ قُدِرَ ⑫	وَحَمَلْنٰهُ
بطور چشموں کے	پھر مل گیا وہ پانی	ایک ایسے معاملہ پر جو	اندازہ (مقرر) کیا جا چکا تھا	اور ہم نے سوار کیا انؑ کو

عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۙ﴿۱۳﴾	تَجْرِیْ	بِاَعْیُنِنَا ۚ	جَزَآءً	لِّمَنْ 6776
ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر	وہ چلتی تھی	ہماری آنکھوں کے سامنے	بدلہ ہوتے ہوئے	اس کے لیے جس کا

كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾	وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ	اٰيَةً	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾
انکار کیا جاتا تھا	اور بیشک ہم نے چھوڑ دیا ہے اس کو	بطور ایک نشانی کے	تو کیا	کوئی بھی یاد دہانی حاصل کرنے والا ہے

فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِيْ	وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
تو کیسا تھا	میرا عذاب	اور میرا خبردار کرنا	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے

الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾
قرآن کو	یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

نوٹ:1

(آیت۔15) کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اِس عقوبت کو (یعنی طوفانِ نوح کو) ایک نشانِ عبرت بنا کر چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زیادہ قابل ترجیح معنی یہ ہیں کہ اُس کشتی کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ ایک بلند و بالا پہاڑ پر اس کا موجود ہونا، ہزاروں برس تک لوگوں کو خدا کے غضب سے خبردار کرتا رہا۔ مسلمانوں کی فتح عراق کے زمانے میں یہ کشتی جُودی پر موجود تھی اور ابتدائی دور کے اہل اسلام نے اسے دیکھا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

لفظ ذکر یہاں (آیت۔17) وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تعلیم، تذکیر، آگاہی، تنبیہہ، نصیحت، موعظت، حصولِ عبرت اور اتمام حُجت، یہ سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ قرآن مجید ہمارے اوپر کوئی چیز خارج سے نہیں لادتا بلکہ ہماری فطرت اور عقل میں اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کے جو خزانے ودیعت کیے ہیں اور جن سے ہم غافل ہیں انہی کو ہمارے سامنے اجاگر کرتا ہے اور ان سے بہرہ مند ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

اسلام کا جائزہ خط و کتابت کورس کے حصہ اوّل میں ہم بتا چکے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ پہلے بچے کو کچھ سکھاتے پڑھاتے ہیں، پھر اس کا امتحان لیتے ہیں۔ اسی اصول کے تحت انسان کو جو کچھ سکھا پڑھا کر دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید اور نیکی و بدی کا شعور سرفہرست ہیں۔ البتہ اس دنیا میں آکر انسان انہیں بھول جاتا ہے۔ یعنی وہ باتیں انسان کے شعور سے اتر کر تحت الشعور میں چلی جاتی ہیں۔ اسی لیے انسان کو یاددہانی کی ضرورت ہے تاکہ اس کے بھولے ہوئے اسباق اس کے تحت الشعور سے ابھر کر اس کے شعور میں آجائیں۔ اس لحاظ سے یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کی یاددہانی ہے۔ جبکہ قرآن مجید عقائد اور اعمال کے لیے ایک جامع اور مکمل یاد دہانی ہے۔ اور انسان کو اس کے بھولے ہوئے اسباق یاد دلاتا ہے جن سے مسلّح کر کے اسے اس امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو اٰیَةٌ (نشانی) کہا گیا ہے اور قرآن مجید کے جملوں اور فقروں کو بھی آیت کہا گیا ہے کیونکہ کسی انجانی بات کا علم دینا نشانی کا کام (Function) نہیں ہے بلکہ نشانی کا کام یہ ہے کہ وہ اُس بھولی ہوئی چیز کی یاد دلا دے جس کی وہ نشانی ہے۔ شارجہ سے آئے ہوئے میرے ایک دوست نے مجھے ایک گھڑی تحفہ میں دی تھی۔ میری نظر جب بھی اس گھڑی پر پڑتی ہے تو وہ دوست مجھے یاد آجاتا ہے۔ اس دوست کی یاددہانی حاصل کرنے کے لیے مجھے نہ تو کسی منطقی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کوئی فیثا غورث کی تھیوریم حل کرنی پڑتی ہے۔ بس ایک نشانی نے اس کام کو میرے لیے انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ (مرتب)

ذکر کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کے بھی۔ یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ تورات، زبور یا انجیل لوگوں کو زبانی یاد ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے آسان کرنے کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے مضامین عبرت ونصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے کہ بڑے سے بڑا عالم، فلسفی اور حکیم جس طرح ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ایک عام آدمی جس کو علوم سے کوئی مناسبت نہ ہو، وہ بھی مضامینِ قرآن کو سمجھ کر ان سے متاثر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (18 تا 32)

ق ع ر

(ف) قَعْرًا درخت کو جڑ سے اکھاڑنا۔

(انفعال) اِنْقِعَارًا اکھڑ جانا۔ مر جانا۔

مُنْقَعِرٌ اسم الفاعل ہے۔ اکھڑ جانے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 20۔

ء ش ر

(س) اَشَرًا مغرور ہونا۔ اترانا۔

اَشِرٌ صفت ہے۔ اترانے والا۔ خود پسند۔ زیر مطالعہ آیت نمبر 25۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ عَادٌ	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِىْ وَنُذُرِ ⑱	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
جھٹلایا عاد نے	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا خبردار کرنا	بیشک ہم نے بھیجی ان لوگوں پر

رِيْحًا صَرْصَرًا	فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲	تَنْزِعُ النَّاسَ	كَاَنَّهُمْ
ایک تیز وتند ہوا	ہمیشگی والے نحوست کے دن میں	جو اکھاڑتی تھی لوگوں کو	جیسے کہ وہ لوگ

اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ⑳	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِىْ وَنُذُرِ ㉑	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
اکھڑ جانے والے کھجور کے تنے ہوں	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا ڈرانا	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ㉒	كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ	بِالنُّذُرِ ㉓
قرآن کو یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے	جھٹلایا ثمود نے	خبردار کرنے والوں کو

فَقَالُوْٓا	اَبَشَرًا	مِّنَّا	وَاحِدًا	نَّتَّبِعُهٗٓ	اِنَّآ اِذًا	لَّفِىْ ضَلٰلٍ	وَّسُعُرٍ ㉔
تو انہوں نے کہا	کیا ایک ایسا بشر	ہم میں سے	جو تنہا ہے	ہم پیروی کریں گے اس کی	بیشک تب تو ہم	یقیناً گمراہی میں	اور دیوانگی میں ہیں

ءَاُلْقِىَ	الذِّكْرُ	عَلَيْهِ	مِنْۢ بَيْنِنَا	بَلْ هُوَ	كَذَّابٌ	اَشِرٌ ㉕
کیا ڈالا گیا	اس نصیحت کو	اس پر	ہمارے درمیان سے	بلکہ وہ	انتہائی جھوٹا ہے	خود پسند ہے

سَيَعْلَمُوْنَ	غَدًا	مَّنِ الْكَذَّابُ	الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾	اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
وہ لوگ جان لیں گے	کل کو	کون انتہائی جھوٹا ہے	خود پسند ہے	بیشک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں

فِتْنَةً	لَّهُمْ	فَارْتَقِبْهُمْ	وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾	وَنَبِّئْهُمْ	اَنَّ الْمَآءَ
بطور ایک کسوٹی کے	ان کے لیے	تو آپؐ انتظار کریں ان کا	اور ثابت قدم رہیں	آپؐ جتا دیں ان کو	کہ یہ پانی

قِسْمَةٌۢ	بَيْنَهُمْ ج	كُلُّ شِرْبٍ	مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾	فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
بانٹ ہے	ان کے درمیان	ہر پینے کی باری پر	حاضر کرنے کا وقت ہے	پھر ان لوگوں نے پکارا اپنے ساتھی کو

فَتَعَاطٰى	فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
تو اس نے ہاتھ بڑھایا (ہتھیار لینے کو)	پھر اس نے ٹانگیں کاٹ دیں	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا اڈرانا	بیشک ہم نے بھیجی ان پر

صَيْحَةً وَّاحِدَةً	فَكَانُوْا	كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
ایک ہی چنگھاڑ	تو وہ لوگ تھے	باڑھ بنانے والے کی توڑی ہوئی ٹہنی کی مانند	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو

لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾
یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔19۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تند ہوا ایسی نہیں تھی کہ چند جھونکے آئے اور گزر گئے۔ بلکہ وہ ایسے دن شروع ہوئی جس کی نحوست کئی روز تک مسلسل جاری رہی۔ سورہ حٰم السجدہ کی آیت۔16 میں اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (نحوست والے دنوں) کے الفاظ آئے ہیں۔ اور سورہ الحاقہ کی آیت۔7۔ میں فرمایا گیا ہے کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا۔ مشہور یہ ہے کہ جس دن یہ عذاب شروع ہوا وہ بدھ کا دن تھا۔ اسی سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن منحوس ہے اور کوئی کام اس دن شروع نہ کرنا چاہیے۔ لیکن علما نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ محقق مناوی کہتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑنا اور نجومیوں کے سے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام، سخت حرام ہے کیونکہ سارے دن اللہ کے ہیں، کوئی دن بذاتِ خود نہ نفع دینے والا ہے اور نہ نقصان۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ سارے دن یکساں ہیں۔ رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے جو کسی کے لیے اچھی، کسی کے لیے بری نہ ہو۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کسی کے لیے موافق اور کسی کے لیے ناموافق حالات پیدا کرتا رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (33 تا 55)

د ھ ی

(ف) دَهٰيَا مرتبہ گھٹانا۔ مصیبت پہنچانا۔

اَدْهٰى افعل تفضیل ہے۔ زیادہ یا سب سے بڑی مصیبت ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔46۔

1776

س ق ر

(ن) سَقَرًا جھلس دینا۔

سَقَرُ (غیر منصرف ہے) دوزخ (جھلس دینے والی) زیر مطالعہ آیت۔48۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ	بِالنُّذُرِ ۳۳	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ	حَاصِبًا
جھٹلایا لوطؑ کی قوم نے	خبردار کرنے والوں کو	بیشک ہم نے بھیجی ان پر	کنکریاں مارنے والی تند ہوا

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ	نَجَّيْنٰهُمْ	بِسَحَرٍ ۳۴	نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا
سوائے لوطؑ کے پیروکاروں کے	ہم نے نجات دی ان کو	صبح تڑکے	نعمت ہوتے ہوئے ہمارے پاس سے

كَذٰلِكَ نَجْزِيْ	مَنْ شَكَرَ ۳۵	وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ	بَطْشَتَنَا
اس طرح ہم جزاء دیتے ہیں	اس کو جس نے شکر ادا کیا	اور بیشک اس (لوطؑ) نے خبردار کردیا تھا	ہماری پکڑ سے

فَتَمَارَوْا	بِالنُّذُرِ ۳۶	وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ	عَنْ ضَيْفِهٖ
تو انہوں نے شک کیا	ڈرانے کے بارے میں	اور بیشک وہ لوگ پھسلا (چکے) انؑ کو	ان کے مہمانوں کے بارے میں

فَطَمَسْنَآ	اَعْيُنَهُمْ	فَذُوْقُوْا	عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۳۷
تو ہم نے مٹادیں	ان کی آنکھیں	نتیجتاً (اب) تم لوگ چکھو	میرے عذاب کو اور میرے خبردار کرنے کو

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ	بُكْرَةً	عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۳۸	فَذُوْقُوْا
اور بیشک صبح کو آچکا ہے ان کے پاس	سویرے سویرے	قرار پانے والا عذاب	تو اب چکھو

عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۳۹	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۴۰
میرا عذاب اور میرا خبردار کرنا	اور بیشک ہم آسان کرچکے اس قرآن کو	یاددہانی کے لیے	تو کیا کوئی بھی نصیحت حاصل کرنے والا ہے

وَلَقَدْ جَآءَ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	النُّذُرُ ۴۱	كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
اور بیشک آچکے	فرعون کے پیروکاروں کے پاس	خبردار کرنے والے	انہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو

كُلِّهَا	فَاَخَذْنٰهُمْ	اَخْذَ عَزِيْزٍ	مُّقْتَدِرٍ ۴۲	اَكُفَّارُكُمْ
ان کے کل کو	تو ہم نے پکڑا ان کو	ایک زبردست کا پکڑنا	جو پوری طرح قابو یافتہ ہے	کیا تمہارے کافر لوگ

خَيْرٌ	مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ	اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ	فِي الزُّبُرِ ۴۳	اَمْ يَقُوْلُوْنَ
بہتر ہیں	اُن لوگوں سے	یا تمہارے لیے کوئی (اعلان) براءت ہے	صحیفوں میں	یا وہ لوگ کہتے ہیں

نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۴۴	سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ	وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۴۵
ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں	شکست دی جائے گی اس جماعت کو	اور وہ لوگ پھیر دیں گے پیٹھوں کو

بَلِ السَّاعَةُ	مَوْعِدُهُمْ	وَالسَّاعَةُ	اَدْهٰی وَ	اَمَرُّ ۝۴۶	اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ
بلکہ وہ گھڑی	ان کے وعدے کا وقت ہے	اور وہ گھڑی	سب سے بڑی مصیبت ہے	اور انتہائی کڑوی ہے	بیشک جرم کرنے والے

فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۴۷	یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ	فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ؕ	ذُوْقُوْا
گمراہی اور جنون میں ہیں	جس دن وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے	آگ میں اپنے چہروں کے بل	(اور کہا جائے گا) تم لوگ چکھو

مَسَّ سَقَرَ ۝۴۸	اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ	خَلَقْنٰهُ	بِقَدَرٍ ۝۴۹	وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ	اِلَّا وَاحِدَةٌ
دوزخ کی چھواہٹ (آنچ) کو	بیشک ہر چیز!	ہم نے پیدا کیا اس کو	ایک اندازے سے	اور نہیں ہے ہمارا حکم	مگر ایک (فرمان)

كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝۵۰	وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ	اَشْیَاعَكُمْ	فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۵۱
چشم زدن کی طرح	اور بیشک ہم ہلاک کر چکے ہیں	تمہارے گردنوں کو	تو کیا کوئی بھی یاد دہانی حاصل کرنے والا ہے

وَكُلُّ شَیْءٍ	فَعَلُوْهُ	فِی الزُّبُرِ ۝۵۲	وَكُلُّ صَغِیْرٍ	وَّكَبِیْرٍ	مُّسْتَطَرٌ ۝۵۳
اور ہر ایسی چیز	انہوں نے ارتکاب کیا جس کا	صحیفوں میں ہے	اور ہر چھوٹی (چیز)	اور بڑی (چیز)	لکھی ہوئی ہے

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ	فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝۵۴	فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ	عِنْدَ مَلِیْكٍ	مُّقْتَدِرٍ ۝۵۵
بیشک متقی لوگ	باغوں اور نہر میں ہوں گے	سچائی کی بیٹھنے کی جگہ میں	ایک ایسے دائمی بادشاہ کے پاس جو	پوری قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ:1

آیت۔37۔ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل سورہ ہود کی آیات 77 تا 83 میں اور سورہ حجر کی آیات 61 تا 74 میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوطؑ پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے ہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا۔ ان کی قوم کے لوگوں نے جب انہیں دیکھا تو حضرت لوطؑ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مہمان ان کے حوالے کر دیں۔ لوطؑ نے ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ یکایک ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ وہ اور ان کے گھر والے صبح ہونے سے پہلے اس بستی سے نکل جائیں۔

بائبل میں یہ بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''تب وہ اُس مرد (یعنی لوطؑ) پر پل پڑے اور نزدیک آئے تا کہ کواڑ توڑ ڈالیں۔ لیکن اُن مردوں (یعنی فرشتوں) نے ہاتھ بڑھا کر لوطؑ کو گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے اندھا کر دیا سو وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔'' (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

آیت۔43 میں قریش سے خطاب کر کے فرمایا کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام تم نے سن لیا۔ اب بتاؤ کہ انہی کی روش جب تم نے اختیار کی ہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں کرے گا۔ کیا تمہاری قوم کے کفار اِن سے بہتر ہیں یا آسمانی صحیفوں میں تمہارے لیے کوئی برأت نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرو تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ اللہ کے عدل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی قانون کے تحت معاملہ کرے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیات۔44۔45۔ میں وہ صریح پیشنگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت، جس کی طاقت کا

انہیں بڑا زعم تھا، مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی۔ اُس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا کہ یہ انقلاب کیسے ہوگا۔ 1776 مسلمانوں کی بے بسی کا حال یہ تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبشہ میں پناہ گزیں تھا اور باقی بچے ہوئے اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ اس وقت کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جانے والا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سورہ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو شکست کھائے گی۔ مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ تعالیٰ ﷺ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں۔ سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

آیت۔ 49۔ میں قدر کا لفظ آیا ہے۔ قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں۔ اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنیٰ تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض احادیث کی بناء پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الٰہی مراد لی ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو تقدیر ازلی کے مطابق بنایا ہے یعنی پیدا ہونے والی ہر چیز اور اس کی مقدار، زمانہ و مکان اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ، عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا۔ جو کچھ اس عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔

تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر اُمت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مر جائیں تو ان کے کفن دفن میں شریک مت ہو۔ (معارف القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الرحمٰن (55)

آیت نمبر (1 تا 16)

ترجمہ

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ③	عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ②	اَلرَّحۡمٰنُ ①
اس نے پیدا کیا انسان کو	جس نے تعلیم دی قرآن کی	(وہ ہی) انتہائی رحم کرنے والا ہے

وَّالنَّجۡمُ	بِحُسۡبَانٍ ⑤	اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ	الۡبَیَانَ ④	عَلَّمَهُ
جڑی بوٹیاں	ایک حساب سے ہیں	سورج اور چاند	مافی الضمیر واضح کرنا	اس نے سکھایا اس کو

وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ⑦	رَفَعَهَا	وَالسَّمَآءَ	یَسۡجُدٰنِ ⑥	وَالشَّجَرُ
اور اس نے اتارا اس ترازو (توازن کے معیار) کو	اس نے بلند کیا اس کو	اور اس آسمان کو	سجدہ کرتے ہیں	اور سارے درخت

وَلَا تُخۡسِرُوا	بِالۡقِسۡطِ	وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ	فِی الۡمِیۡزَانِ ⑧	اَلَّا تَطۡغَوۡا
اور کمی مت کرو	انصاف سے	اور قائم رکھو تولنے کو	توازن کے معیار میں	کہ تم لوگ بے اعتدالی مت کرو

الْمِيْزَانِ ﴿۹﴾	وَالْاَرْضَ	وَضَعَهَا	لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾	فِيْهَا فَاكِهَةٌ 6776
ترازو میں	اوراس زمین کو؟	اس نے رکھااس کو	مخلوق کے لیے	اس (زمین) میں پھل ہے

وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾	وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ	وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾
اورغلافوں والی کھجوریں	اور بھوسے والے دانے	اورخوشبودار پودے

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾	خَلَقَ الْاِنْسَانَ
توتم دونوں (جن وانس) اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اس نے پیدا کیاانسان کو

مِنْ صَلْصَالٍ	كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾	وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ	مِنْ مَّارِجٍ
ایک کھنکتی مٹی سے	جیسے ٹھیکرا	اوراس نے پیدا کیا جن کو	ایک ایسے شعلے سے جو

مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾
آگ سے تھا	تواپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ:1

اس سے پہلی سورۃ القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب آنے کے متعلق تھے۔ اس لیے ہر عذاب کے ذکر کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک خاص جملہ بار بار استعمال فرمایا ہے، یعنی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۔ اوراس کے متصل ایمان واطاعت کی ترغیب کے لیے دوسرا جملہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ بار بار لایا گیا ہے۔ سورہ الرحمٰن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں ہیں۔ اسی لیے جب کسی نعمت یا نعمتوں کا ذکر فرمایا تو شکرِ نعمت کی ترغیب کے لیے فرمایا فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور پوری سورت میں یہ جملہ 31۔ مرتبہ لایا گیا ہے۔ جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے، اس لیے وہ فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں ہے۔ خصوصاً اِن دونوں سورتوں میں جن جملوں کی تکرار ہوئی ہے، وہ صورت کے اعتبار سے تو تکرار ہے لیکن ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے۔ کیونکہ سورۃ القمر میں ہر نئے عذاب کے ذکر کے بعد اُس کا جملہ دہرایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے بعد اُس کے جملے کی تکرار کی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار کو فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھتے ہیں۔ اس کو نثر اور نظم دونوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور صرف عربی ہی نہیں، فارسی اور اُردو کے مسلّم شعراء کے کلام میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ (معارف القرآن) اُردو کی نظموں میں ایسے جملوں کو ٹیپ کا بند کہتے ہیں (مرتب)۔

نوٹ:2

تُكَذِّبٰنِ تثنیہ کا صیغہ ہے کیونکہ خطاب جن وانس دونوں سے ہے۔ گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا لیکن اَنَام میں وہ شامل ہیں۔ اور آیت۔13 کے بعد ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتائی گئی ہے۔ اور چند آیات کے بعد جن وانس کو تصریحاً خطاب کیا گیا ہے۔ یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ رحمٰن خود تلاوت فرمائی یا آپ ﷺ کے سامنے یہ سورہ پڑھی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تم سے ویسا اچھا جواب نہیں سن رہا ہوں جیسا جنوں نے اپنے رب کو دیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا جواب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو جن اس کے جواب میں کہتے لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعْمَةِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ (ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے)۔ (تفہیم القرآن۔ ج۵ ص ۲۴۴)

نوٹ:3

اَنَام عربی زبان میں خلق کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں انسان اور سب زندہ مخلوقات شامل ہیں۔ سب جاندار اَنَام ہیں۔ یہی معنی تمام اہلِ لغت نے بیان کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اِس آیت سے زمین کو ریاست کی ملکیت بنانے کا حکم نکالتے ہیں وہ ایک فضول بات کہتے ہیں۔ یہ باہر کے نظریات لا کر قرآن میں زبردستی ٹھونسنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے جس کا ساتھ نہ آیت کے الفاظ دیتے ہیں اور نہ سیاق و سباق۔ اَنَام صرف انسانی معاشرے کو نہیں کہتے ہیں بلکہ زمین کی دوسری مخلوقات بھی اس میں شامل ہیں۔ اور زمین کو اَنَام کے لیے وضع کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب کی مشترکہ ملکیت ہو۔ اور سیاق عبارت بھی یہ نہیں بتا رہا ہے کہ کلام کا مدعا اس جگہ کوئی معاشی ضابطہ بیان کرنا ہے۔ یہاں تو مقصود دراصل یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو اس طرح بنایا اور تیار کر دیا کہ یہ قسم قسم کی زندہ مخلوقات کے لیے رہنے بسنے کے قابل ہو گئی۔ (تفہیم القران)۔

نوٹ:4

تخلیق انسانی کے ابتدائی مراتب جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں، ان کی سلسلہ وار ترتیب مختلف مقامات کی تصریحات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ (۱) تراب یعنی مٹی یا خاک۔ (۲) طین یعنی گارا جو مٹی میں پانی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ (۳) طین لازب یعنی وہ گارا جس کے اندر کچھ عرصہ بعد لیس پیدا ہو جائے۔ (۴) حَمَاٍ مَّسْنُوْن۔ وہ گارا جس کے اندر بُو پیدا ہو جائے۔ (۵) صَلْصَالٍ كَالْفَخَّار۔ وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ (۶) بَشَر۔ جو مٹی کی اس آخری صورت سے بنایا گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی جس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی جیسے ست سے چلائی گئی جس کے لیے دوسرے مقامات پر نطفہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

جس طرح پہلا انسان مٹی سے بنایا گیا، پھر تخلیق کے مختلف مدارج سے گزرتے ہوئے اس کے لُبدِ خاکی نے گوشت پوست کے بشر کی شکل اختیار کی اور آگے اس کی نسل نطفہ سے چلی، اسی طرح پہلا جن آگ کے شعلے یا لپٹ سے پیدا کیا گیا اور بعد میں اس کی ذریت سے جنوں کی نسل پیدا ہوئی۔ زندہ بشر بن جانے کے بعد انسانوں کو اُس مٹی سے کوئی مناسبت باقی نہیں رہی جس سے ان کو پیدا کیا گیا تھا۔ اگرچہ اب بھی ہمارا جسم پورا کا پورا زمین کے اجزاء سے مرکب ہے لیکن ان اجزاء نے گوشت پوست اور خون کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا ہی معاملہ جنوں کا بھی ہے، ان کا وجود بھی اصلاً ایک آتشیں وجود ہی ہے لیکن جس طرح ہم محض تودۂ خاک نہیں ہیں اسی طرح وہ بھی محض شعلۂ آتش نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جن مجرد روح نہیں ہیں بلکہ ایک خاص نوعیت کے مادی اجسام ہی ہیں۔ مگر چونکہ وہ خالص آتشیں اجزاء سے مرکب ہیں اس لیے وہ خاکی اجزاء سے بنے ہوئے انسانوں کو نظر نہیں آتے۔ اس چیز کی طرف سورۃ الاعراف کی آیت۔ 27۔ میں اشارہ ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں تم ان کو نہیں دیکھتے۔ اسی طرح جنوں کا سریع الحرکت ہونا، ان کا بہ آسانی مختلف شکلیں اختیار کر لینا، اور ان مقامات پر غیر محسوس طریقے سے نفوذ کر جانا جہاں خاکی اجزاء سے بنی ہوئی چیزیں نفوذ نہیں کر سکتیں۔ یہ سب امور اسی وجہ سے ممکن اور قابل وہم ہیں کہ وہ فی الاصل آتشیں مخلوق ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

1776

آیت نمبر (17 تا 34)

ف	ن	ی

(س) فَنَاءً — معدوم ہونا۔ ہلاک ہونا۔

فَانٍ — اسم الفاعل ہے۔ معدوم ہونے والا۔ زیر مطالعہ آیت نمبر۔26۔

ج	ل	ل

(ض) جَلَالًا — بڑی شان والا ہونا۔ بلند مرتبہ ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔27۔

ترکیب

(آیت۔27) ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ۔ میں ذُوْ کا حالتِ رفع میں ہونا بتا رہا ہے کہ یہ فقرہ رَبِّكَ میں رَبِّ کی صفت نہیں ہے بلکہ وَجْهُ کی صفت ہے۔ اگر رَبِّ کی صفت ہوتی تو ذِیْ آتا۔ جیسا کہ آخری آیت میں آیا ہے۔ (آیت۔29) یَسْئَلُ کا مفعول اس کے ساتھ ہٗ کی ضمیر مفعولی ہے۔ جبکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مَنْ اس کا فاعل ہے۔ هُوَ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو مُشْتَغِلٌ ہو سکتی ہے۔ فِیْ شَاْنٍ متعلق خبر اور کُلَّ یَوْمٍ ظرف ہے اس لیے کُلَّ حالت نصب میں آیا ہے۔ (آیت۔31)۔

فَرَغَ۔ یَفْرُغُ کے بنیادی معنی تو فارغ ہونا ہی ہے البتہ جب یہ لام کے صلہ کے ساتھ فَرَغَ لَكَ آتا ہے تو عربی محاورہ کے مطابق اس میں عموماً دھمکی کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں ہم کہتے ہیں ''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' یا انگریزی میں کہتے ہیں I Will See You۔ بظاہر یہ دونوں سادہ سے جملے ہیں لیکن ان میں جو دھمکی شامل ہے اسے دونوں زبانوں کے اہل زبان خوب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سَاَفْرُغُ لَكَ کا ترجمہ تو یہی بنے گا کہ میں فارغ ہو جاؤں گا تیرے لیے۔ لیکن اس کا اصل مفہوم ہے میں فارغ ہو جاؤں گا تیری خبر لینے کے لیے، ترجمہ میں اس مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ترجمہ

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ	وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾
دونوں مشرقوں کا مالک	اور دونوں مغربوں کا مالک	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ	يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾	بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
اس نے رواں کیے دو سمندر	وہ دونوں ملتے ہیں	ان دونوں کے درمیان ایک پردہ (ہوتا) ہے

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾
(تو) وہ دونوں چڑھائی نہیں کرتے (ایک دوسرے پر)	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

يَخْرُجُ مِنْهُمَا	اللُّؤْلُؤُ	وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾
نکلتے ہیں ان دونوں سے	موتی	اور مونگے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

وَلَهُ	الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ	فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾
اور اس کی ہی (ملکیت) ہیں	اوپر اٹھائی ہوئی کشتیاں	سمندر میں پہاڑوں کی مانند

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۲۵	كُلُّ مَنْ	عَلَيْهَا	1776 فَانٍ ۲۶
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اس کا ہر ایک جو	اس (زمین) پر ہے	فنا ہونے والا ہے

وَّيَبْقٰى	وَجْهُ رَبِّكَ	ذُو الْجَلٰلِ	وَالْاِكْرَامِ ۲۷	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۲۸
اور باقی رہے گا	آپ کے رب کا چہرہ جو	انتہائی بلند مرتبہ والا ہے	اور بزرگی والا ہے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

يَسْــَٔلُهٗ	مَنْ	فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	كُلَّ يَوْمٍ	هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۲۹
مانگتے ہیں اسی سے	وہ سب جو	آسمانوں اور زمین میں ہیں	ہر روز	وہ (اپنی عظمت کے مطابق) کسی کام میں ہے

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۳۰	سَنَفْرُغُ	لَكُمْ	اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۳۱
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ہم فارغ ہو جائیں گے	تمہارے (حساب کتاب کے) لیے	اے دو بھاری (گروہ)

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۳۲	يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اے انسانوں اور جنوں کے گروہ

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ	اَنْ تَنْفُذُوْا	مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	فَانْفُذُوْا
اگر تمہیں استطاعت ہے	کہ تم لوگ پار نکل جاؤ	آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے	تو نکل جاؤ

لَا تَنْفُذُوْنَ	اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۳۳	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۳۴
تم لوگ نہیں نکل سکو گے	مگر کسی قوت سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ:1 دو مشرقوں اور دو مغربوں سے مراد جاڑے کے چھوٹے سے چھوٹے دن اور گرمی کے بڑے بڑے دن کے مشرق و مغرب بھی ہو سکتے ہیں۔ جاڑے کے سب سے چھوٹے دن میں سورج ایک نہایت تنگ زاویہ بنا کر طلوع و غروب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گرمی کے سب سے بڑے دن میں وہ انتہائی وسیع زاویہ بناتے ہوئے نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ہر روز اس کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہ مختلف ہوتی رہتی ہے جس کے لیے ایک دوسرے مقام پر بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (70/ المعارج:40) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مشرقوں اور مغربوں کا رب کہنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی کے حکم سے سورج کے طلوع و غروب اور سال کے دوران میں ان کے مسلسل بدلتے رہنے کا یہ نظام قائم ہے۔ اور اپنی مخلوقات کی پرورش کے لیے اس نے زمین پر سورج کے ڈوبنے اور نکلنے کا یہ حکیمانہ نظام قائم کیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔22۔ میں ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ معترضین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ موتی اور مونگے تو صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں، پھر یہ کیسے کہا گیا کہ میٹھے اور کھاری دونوں پانیوں سے یہ چیزیں نکلتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سمندر میں میٹھا اور کھاری دونوں طرح کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ مزید تحقیقات سے یہ ثابت ہو کہ ان چیزوں کی پیدائش سمندر میں اُس جگہ ہوتی

ہے جہاں اس کی تہ سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ان کی پیدائش و پرورش میں دونوں طرح کے پانیوں کے اجتماع کو کچھ دخل ہے۔ بحرین میں جہاں قدیم ترین زمانے سے موتی نکالے جارہے ہیں، وہاں تو یہ بات ثابت ہے کہ خلیج کی تہ میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

قانون قدرت یہ ہے کہ اشیاء کی پیدائش تضادات کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ بچہ مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ پرورش اگرچہ ماں کے پیٹ میں پاتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ عورت اور مرد دونوں سے وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح موتی شیریں اور کھاری دونوں ہی پانیوں کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں اگرچہ وہ پرورش کھاری پانی کے اندر ہی پاتے ہوں، ویسے ہمارے نزدیک معترضین کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ موتی صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں موتی (Pearl) پر جو مضمون ہے، اس کا ایک اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مونگے اور موتی میٹھے پانی سے بھی نکلتے ہیں۔ مضمون نگار لکھتا ہے:

''نصف کرۂ شمالی کے منطقہ معتدلہ میں میٹھے پانی کے سیپ کے کیڑے بہت قیمتی موتی پیدا کرتے رہے ہیں۔ امریکہ کے میٹھے پانی کے موتی زیادہ تر دریائے مسی سی پی سے نکلتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ کے دریاؤں Spey اور Tay اور شمالی ویلز کے دریا Conway سے نکلنے والے موتی کی ایک زمانے میں بہت مانگ رہی ہے۔ چین میں میٹھے پانی سے موتی نکالنے کی صنعت ایک ہزار سال قبل مسیح سے معروف ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3 آیت۔ 29 میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ساری مخلوقات اور ان کا ایک ایک فرد اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں۔ پھر آیت۔ 31۔ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز درخواستوں اور ان کے قبول اور ان پر عمل کا سب سلسلہ بند ہوجائے گا۔ اس وقت کام صرف ایک رہ جائے گا یعنی حساب و کتاب اور عدل انصاف کے ساتھ فیصلہ۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 4 مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ میں آسمانوں اور زمین سے مراد ہے کائنات یا بالفاظ دیگر خدا کی خدائی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی گرفت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ جس باز پرس کی تمہیں خبر دی جارہی ہے اس کا وقت آنے پر تم خواہ کسی جگہ بھی ہو، بہرحال پکڑ لائے جاؤ گے۔ اس سے بچنے کے لیے تمہیں خدا کی خدائی سے بھاگ نکلنا ہوگا اور اس کا بل بوتا تم میں نہیں ہے۔ اگر ایسا گھمنڈ تم اپنے دل میں رکھتے ہو تو اپنا زور لگا کر دیکھ لو۔ (تفہیم القرآن)۔

اس زمانے میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات میں پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں، وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کی حدود سے باہر نہیں ہیں بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں۔ اقطار السمٰوٰت سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پار نکلنا تو کجا یہ تو اقطار السمٰوٰت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔ بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان و جواز کے لیے پیش کرنے لگے جو معانی قرآن سے بالکل ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (35 تا 45)

ش و ظ

(ن) شُوَاظًا غصہ کا بھڑک اُٹھنا۔

شُوَاظٌ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ آگ یا سورج کی تپش۔ زیر مطالعہ آیت۔ 35

ترجمہ

1776

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا	شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ	وَّنُحَاسٌ	فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝۳۵
بھیجا جائے گا تم دونوں پر	ایک شعلہ کسی آگ سے	اور دھواں (بھی)	پھر تم دونوں بدلہ نہ لے پاؤ گے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝۳۶	فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ	فَكَانَتْ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	پھر جب پھٹ جائے گا آسمان	تو وہ ہو جائے گا

وَرْدَةً	كَالدِّهَانِ ۝۳۷	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝۳۸
گلابی	جیسے تیل کی تلچھٹ	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ	عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ	اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝۳۹	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
پھر اس دن نہیں پوچھا جائے گا	اس کے گناہ کے بارے میں	کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ۝۴۰	يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ	بِسِيْمٰهُمْ	فَيُؤْخَذُ	بِالنَّوَاصِيْ
تم دونوں جھٹلاؤ گے	پہچانے جائیں گے جرم کرنے والے لوگ	اپنی علامت سے	پھر اس کو پکڑا جائے گا	پیشانیوں سے

وَالْاَقْدَامِ ۝۴۱	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝۴۲	هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ
اور قدموں سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	یہ وہ جہنم ہے

يُكَذِّبُ بِهَا	الْمُجْرِمُوْنَ ۝۴۳	يَطُوْفُوْنَ	بَيْنَهَا
جھٹلاتے تھے جس کو	جرم کرنے والے لوگ	وہ لوگ طواف کریں گے	اس (جہنم) کے

وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝۴۴	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝۴۵
اور ایک انتہائی گرم پانی کے مابین	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ:1

قیامت کے دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ تم نے فلاں جرم کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے۔ مجاہدؒ نے فرمایا کہ فرشتے جو مجرمین کے عذاب پر مامور ہیں ان کو مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ تم نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہر جرم کی ایک خاص نشانی مجرمین کے چہروں سے ظاہر ہوگی۔ فرشتے وہ نشانی دیکھ کر ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: کہ اس روز مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور رنج وغم سے چہرے فق ہوں گے۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)۔

نوٹ:2

جرم کی حقیقی بنیاد قرآن کی نگاہ میں یہ ہے کہ بندہ جو اپنے رب کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اپنے نزدیک یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نعمتیں کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ اسے مل گئی ہیں۔ یا یہ کہ یہ نعمتیں خدا کا عطیہ نہیں بلکہ اس کی اپنی قابلیت یا خوش نصیبی کا پھل ہیں۔ یا یہ کہ خدا نے خود یہ مہربانیاں اس پر نہیں کی ہیں بلکہ کسی دوسری ہستی نے اس سے کرادی ہیں۔ یہی وہ غلط تصورات ہیں جن کی بنا پر آدمی خدا سے بے نیاز اور اس کی اطاعت وبندگی سے آزاد ہو کر دنیا میں وہ افعال کرتا ہے جن سے خدا نے منع کیا ہے اور وہ افعال نہیں کرتا جن کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس لحاظ سے ہر جرم اور ہر گناہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی تکذیب ہے قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص زبان سے ان کا انکار کرتا

ہو یا اقرار۔ مگر جو شخص تکذیب کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ اس کے ذہن کی گہرائیوں میں تکذیب موجود ہوتی ہے، وہ اگر کسی بشری کمزوری سے کوئی قصور کر بیٹھتا ہے تو اس پر استغفار کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ چیز اسے مکذبین میں شامل ہونے سے بچاتی ہے۔ اس کے سوا باقی تمام مجرم درحقیقت اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جب تم لوگ مجرم کی حیثیت سے گرفتار ہو جاؤ گے اس وقت ہم دیکھیں گے کہ تم ہمارے کس کس احسان کا انکار کرتے ہو۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (46 تا 59)

ف ن ن

(ن) فَنًّا : کسی چیز کو مزین کرنا۔

فَنَنٌ : ج اَفْنَانٌ۔ ہری بھری شاخ۔ زیر مطالعہ آیت۔48۔

ط م ث

(ض) طَمْثًا : چھونا۔ ہاتھ لگانا۔ زیر مطالعہ آیت۔56۔

ترکیب

(آیت۔54)۔ نوٹ کرلیں کہ اِسْتَبْرَقٍ کا ہمزہ، ہمزۃ الوصل نہیں ہے بلکہ ہمزۃ القطع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مِنَ اسْتَبْرَقٍ کے بجائے مِنْ اِسْتَبْرَقٍ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کا باب استفعال سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک جامد لفظ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غیر عربی لفظ ہے۔ ڈکشنری میں بہرحال یہ مادہ ''ب رق'' کے تحت ہی دیا جاتا ہے۔

ترجمہ

وَلِمَنْ خَافَ	مَقَامَ رَبِّهٖ	جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
اور اس کے لیے جو ڈرا	اپنے رب (کے سامنے) کھڑے ہونے کے وقت سے	دو باغ ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾	ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	(وہ دونوں باغ) ہری بھری شاخوں والے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ	تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾
ان دونوں میں دو چشمے ہیں	بہتے ہوئے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ	زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾
ان دونوں میں ہر پھل سے	دو جوڑے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مُتَّكِـِٕيْنَ	عَلٰي فُرُشٍۢ	بَطَاۗىِٕنُهَا	مِنْ اِسْتَبْرَقٍ
ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے	بچھونوں پر	جن کے استر	چمکیلے ریشم سے ہوں گے

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ	دَانٍ ﴿٥٤﴾	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
اور دونوں باغ کے تازہ پھل	نزدیک ہونے والے ہوں گے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾	فِيۡهِنَّ	قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ۙ	لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ
تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان (نعمتوں) میں	پلک نیچے رکھنے والیاں ہوں گی	ہاتھ لگایا ہی نہیں جن کو

اِنۡسٌ	قَبۡلَهُمۡ	وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ ج	فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ ج
کسی انسان نے	ان سے پہلے	اور نہ کسی جن نے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

كَاَنَّهُنَّ	الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴿۵۸﴾ ج	فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾
جیسے کہ وہ (عورتیں)	یاقوت اور مونگے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ:1

آیت۔52۔ میں پھلوں کے دو جوڑے کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں باغوں کے پھلوں کی شان نرالی ہوگی۔ ایک باغ میں ایک شان کے پھل اس کی شاخوں میں لدے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے باغ کے پھلوں کی شان کچھ اور ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر باغ میں ایک قسم کے پھل جانے پہچانے ہوں گے جن سے وہ دنیا میں بھی آشنا تھا۔ اور دوسری قسم کے پھل نادر ہوں گے جو دنیا میں کبھی اس کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

آیت۔56۔ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جنت میں نیک انسانوں کی طرح نیک جن بھی داخل ہوں گے۔ وہاں جس طرح انسان مردوں کے لیے انسان عورتیں ہوں گی اسی طرح جن مردوں کے لیے جن عورتیں بھی ہوں گی۔ دونوں کی رفاقت کے لیے انہی کے ہم جنس جوڑے ہوں گے۔ (تفہیم القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ و برکاۃ
اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے
انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب
کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: www.khuddam-ul-quran.cominfo@khuddam-ul-quran.com,
0412437781,0412437618,03217805614
قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد